پروفیسر شبیر محمد گریوال

ایک تاریخی دستاویز —— چودہ نکات

قائداعظم محمد علی جناح (۱۸۷۶ - ۱۹۴۸ء) کا چودہ نکات پر مشتمل وہ مشہور مصالحتی فارمولا جو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (جو دسمبر ۱۹۲۸ء میں ملتوی ہو گیا تھا[۱]) منعقدہ ۲۸ - ۳۱ مارچ ۱۹۲۹ء بمقام دہلی پیش کیا گیا ہے[۲] بلا شک و شبہ ہماری تحریکِ آزادی کی اہم سیاسی اور آئینی دستاویز میں سے ایک ہے۔ جس کے مطالعہ سے ایک طرف اس دور میں مسلمانوں کے سیاسی و آئینی خیالات، نظریات اور احساسات کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف آئندہ متوقع خطرات کی نشاندہی ہوتی ہے جن کے پیشِ نظر قائدِاعظم اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسلامیانِ ہند کی منزل کا تعین خاص خطوط پر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قائداعظم کے یہ چودہ نکات یقیناً ان کی سیاسی اور آئینی بصیرت کا شاہکار تھے اور ان کی اہمیت کا اندازہ ان حالات و واقعات کو سامنے رکھ کر ہی ہو سکتا ہے، جن میں یہ پیش کیے گئے۔ مثلاً ۱۹۱۹ء کی ناتسلی بخش اصلاحات کا نفاذ، ان پر نظرِ ثانی کے مطالبے کی شدت، موڈی مان کمیٹی کا تقرر (۱۹۲۴ء) خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں کا زور (۱۹۱۹ - ۱۹۲۴ء)، ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوششیں، وزیرِ ہند برکن ہیڈ کا یہ چیلنج کہ ہندوستانی کوئی متحدہ آئین بنا کر تو دکھائیں، سائمن کمیشن کا تقرر (۱۹۲۷) آل پارٹیز کا انعقاد (۱۹۲۷ء)، نہرو کمیٹی کا تقرر، نہرو رپورٹ کا منظرِ عام پر آنا (۱۹۲۸ء)، مسلمانوں کے مطالبات کو رد کر دینا۔ یہاں تک کہ آل پارٹیز کنونشن (کلکتہ ۱۹۲۸ء) میں مصلحتِ ملکی کے پیشِ نظر قائداعظم کی طرف سے پیش کردہ معمولی ترمیمات یعنی سندھ کی بمبئی سے علیحدگی۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کا ⅓ حصہ، پنجاب اور بنگال میں آبادی کی بنیاد پر نیابت ایسے

---

[۱] دیکھیے انڈین رجسٹر جلد دوم۔ جولائی۔ دسمبر ۱۹۲۸ء ص ۳۹۳ - ۴۰۱

[۲] ایضاً، جلد اوّل۔ جنوری۔ جون ۱۹۲۹ء ص ۳۶۲ - ۳۷۳

مطالبات کا بھی رد ہو جانا وغیرہ، اس دور کے اہم واقعات تھے[۵۳] ظاہر ہے اس دور کی طوفانی سیاست کے ان اہم اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات و واقعات سے مسلمان ہرگز لاتعلق نہیں رہ سکتے تھے اور انھوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس دور میں سیاسی اور آئینی نظریات کے اعتبار سے مسلمانانِ ہند کے چار گروہ زیادہ اہم اور مشہور تھے۔

۱۔ آل انڈیا مسلم لیگ کلکتہ (جناح گروپ)

۲۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا شفیع گروپ

۳۔ کانگرسی مسلمان جو نہرو رپورٹ کے حامی تھے

۴۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے علم بردار[۵۴]

آل انڈیا مسلم لیگ میں پہلا اختلاف سائمن کمیشن کے تقرر پر ہوا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح سائمن کمیشن کے تقرر کے خلاف تھے۔ اس لیے کہ اس کے سب ممبر انگریز تھے، انھیں فیصلہ ہندوستان کی قسمت کا کرنا تھا اور کوئی ہندوستانی اس میں شامل نہ تھا۔ یہ بے قاعدگی قائداعظم کے سیاسی اصول کے خلاف تھی، اور سر محمد شفیع سائمن کمیشن کے حق میں تھے[۵۵] اس سے پہلے بھی ان دونوں رہنماؤں

---

[۵۳] ان تمام واقعات کے مطالعہ کے لیے دیکھیے: (ا) محمد نعمان، مسلم انڈیا، الہ آباد ۱۹۴۲ء

(ب) اشتیاق قریشی، بحوالہ سٹرگل فار پاکستان،

مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: (ا) ہسٹری آف فریڈم موومنٹ، جلد سوم، کراچی، ۱۹۶۱ء

(ب) رپورٹ آف دی ریفارمز انکوائری کمیٹی، لندن ۱۹۲۵

(ج) ڈی۔ گراہم پول Indian Transition، لندن ۱۹۳۲ء

(د) رپورٹ آل پارٹیز کانفرنس، ۱۹۲۸، الہ آباد، ۱۹۲۹ء

(س) دی پروسیڈنگز آف دی آل پارٹیز، نیشنل کنونینشن، الہ آباد، ۱۹۲۹ء

[۵۴] (ا)۔ محمد نعمان، مسلم انڈیا، الہ آباد، ۱۹۴۲، ص ۲۸۳۔

(ب) مطلوب الحسن سید، محمد علی جناح: پولیٹیکل سٹڈی، لاہور۔ ۱۹۵۲ء

[۵۵] تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ انڈین رجسٹر۔ جون دسمبر ۱۹۲۷۔ جلد دوم، ص ۴۳۸ - ۴۵۴

(قائداعظم اور سر محمد شفیع) میں (۱۹۲۴ء) میں مڈی مان کمیٹی کی تیار کردہ رپورٹ کے سلسلے میں اختلاف رائے کا اظہار ہو چکا تھا۔ سر شفیع نے (Majority Report) پر دستخط کیے تھے جو انگریزوں کو نسبتاً زیادہ قابل قبول ہو سکتی تھی۔ جب کہ قائداعظم نے (Minority Report) پر دستخط کیے تھے۔ جس میں آئینی اصلاحات کو ناقابل عمل قرار دیا گیا تھا۔[۵۶] اختلافات میں مزید اضافہ نہرو رپورٹ (۱۹۲۸ء) کے سلسلے میں ہوا۔ قائداعظم نہرو رپورٹ کے زبردست مخالف تھے[۵۷] جب کہ کانگرسی مسلمان نہرو رپورٹ کے حق میں تھے، اور اسے ہر صورت میں قبول کر لینا چاہتے تھے[۵۸] لیکن قائداعظم مخالفت کے باوجود ملک کے وسیع تر مفادات کے پیش نظر نہرو رپورٹ کو چند ترامیم کے ساتھ قبول کر لینے کے لیے تیار تھے۔[۵۹] جہاں تک آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی کے علم برداروں کا تعلق ہے وہ سرے سے نہرو رپورٹ کے خلاف تھے اور اس کے ردعمل میں بعض دوسرے عوامل کے ساتھ انھوں نے آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی کا انعقاد کیا تھا۔[۶۰]

آل انڈیا مسلم کانفرنس کا انعقاد واقعتاً مسلمانوں کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ تھا۔ بقول سر آغا خان اسلامیان ہند کے تمام تاریخی اجتماعات میں سے زیادہ پرشکوہ اجتماع تھا اور اس کے اصول اساسی آئندہ کے لیے مسلمانوں کے رہنما اصول بن گئے تھے[۶۱] سرسری نظر سے دیکھا جائے تو سر آغا خان کے الفاظ حقیقت پر مبنی معلوم ہوتے ہیں لیکن حالات و واقعات کا اگر بنظر غور مطالعہ کیا جائے تو کانفرنس اتنی اہم نظر نہیں آئے گی جتنا کہ کہا گیا ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک ڈرامہ تھا جو قائداعظم کے حریفوں یعنی سر شفیع،

---

۵۶ دیکھیے رپورٹ آف دی انکوائری کمیٹی ۱۹۲۴ء

۵۷ ڈاکٹر عبدالحمید (ا) "نہرو رپورٹ اینڈ قائداعظم"، جرنل آف دی پنجاب یونیورسٹی ہسٹاریکل سوسائٹی لاہور جون ۱۹۶۱ء، ص ۱۳-۱۴۔ (ب) Parting of the ways، پاکستان ٹائمز ۲۳ مارچ ۱۹۷۴ء

احمد سعید: (ا) جناح اینڈ دی نہرو رپورٹ، پاکستان ٹائمز ۲۳ مارچ ۱۹۷۵ء

(ب) "قائداعظم اور نہرو رپورٹ" فروری ۱۹۷۶، ص ۳۱-۴۰

۵۸ انڈین رجسٹر جنوری - جون ۱۹۲۹، جلد اول، ص ۳۶۸

۵۹ دیکھیے پروسنڈنگز آف آل پارٹیز کنونشن، ۱۹۲۸ء، ص ۶۸۔

۶۰ دیکھیے تعارفی نوٹ - رپورٹ آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی

۶۱ سر آغا خان، بحوالہ سابقہ، ص ۲۰۹، ۲۱۰۔

سر فضل حسین اور سر یامین خان وغیرہ نے مسلمانوں کے اتحاد و یک جہتی کے نام پر سٹیج کیا تھا، اور آل انڈیا مسلم لیگ کو مزید کمزور کرنے کی ایک چال تھی۔ قائداعظم اس چال سے بے خبر نہیں تھے۔ اسی بنا پر انھوں نے دہلی کانفرنس میں شمولیت نہیں کی تھی۔ قائداعظم کی قیادت میں لیگ کے ایک حصے کا کانفرنس میں شامل نہ ہونے سے اس کا وہ دعوی کہ وہ مسلمانوں کے تمام گروہوں کی نمائندہ تھی، غلط ہو جاتا ہے۔

جس مقصد کے لیے دہلی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، وہ مقصد حاصل نہ ہوا۔ لیکن اس موقع پر قائداعظم نے انتہائی سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا۔ ایک طرف کانفرنس میں شمولیت نہ کرکے لیگ کے وجود کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوگئے اور دوسری طرف ہندوؤں اور انگریزوں کے ساتھ سیاسی اور آئینی جنگ لڑنے کے لیے ایک مصالحتی فارمولا تیار کیا جو مشہور و معروف چودہ نکات پر مبنی تھا۔ جن کو مختصر طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ آئین وفاقی ہوگا۔ باقی ماندہ اختیارات صوبوں کو حاصل ہوں گے۔

۲۔ تمام صوبوں کو یکساں خود مختاری حاصل ہوگی۔

۳۔ ملک میں مجالس قانون ساز اور دوسرے نمائندہ اداروں میں اقلیتوں کو موثر نمائندگی حاصل ہوگی۔ لیکن کسی صوبے کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل نہیں کیا جا سکے گا۔

۴۔ مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کو ⅓ سے کم نمائندگی نہیں دی جائے گی۔

۵۔ علیحدہ طریق انتخاب کا اصول فی الحال جاری رہے گا۔ بشرطیکہ ہر اقلیت کے لیے آزادی ہو کہ وہ کسی موقع پر بھی مخلوط طریق انتخاب کے حق میں دست بردار ہو جائے۔

۶۔ بنگال، پنجاب اور سرحد میں کسی بھی نئی حد بندی کی اجازت نہیں دی جائے گی جس سے مسلمان اکثریت متاثر ہو۔

۷۔ ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ مذہبی آزادی سے مراد عقیدے، عبادت، تعلیم، جماعت اور پراپیگنڈے کی آزادی ہے۔

۸۔ ملک میں کسی بھی مجلس قانون ساز کے نمائندہ ادارے میں کوئی بل یا قرارداد یا اس کا کوئی حصہ جو کسی بھی اقلیت کے خلاف ہو اور اس اقلیت کے ¾ نمائندے اس کے خلاف ہوں، زیر بحث نہیں لایا جائے گا۔

۹۔ سندھ کو احاطۂ بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک نیا صوبہ بنایا جائے۔

۱۰۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دوسرے صوبوں کی طرح اصلاحات کی جائیں۔

۱۱۔ تمام سرکاری ملازمتوں اور لوکل باڈیز میں مسلمانوں کو معقول حصہ دیا جائے۔

۱۲۔ مسلمانوں کی ثقافت اور تعلیم و زبان، مذہب، مسلم قانون اور خیراتی اداروں کی ترقی اور تحفظ کا اہتمام کیا جائے۔

۱۳۔ مرکزی اور صوبائی وزارتوں میں مسلمانوں کو کم از کم ⅓ نمائندگی دی جائے۔

۱۴۔ بغیر وفاقی یونٹوں کے مشورے کے مرکزی دستور ساز اسمبلی کسی بھی تبدیلی کی مجاز نہ ہوگی۔[۱۲]

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سر شفیع نے یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو جو قرارداد مسلم کانفرنس دہلی میں پیش کی تھی وہ بھی چودہ نکات پر ہی مشتمل تھی۔ یعنی وفاقی طرز حکومت، کسی ایسے بل، قرارداد یا تحریک کو زیر بحث نہ لانا جس کے کسی اقلیت کے ¾ نمائندے خلاف ہوں۔ سرکاری ملازمتوں اور صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں میں مسلمانوں کا مناسب حصہ، مسلمانوں کی تعلیم، پرسنل لا، زبانوں اور خیراتی اداروں کے تحفظ کا اہتمام، علیحدہ طریق انتخاب کو جاری رکھنے پر زور، سندھ کی احاطہ بمبئی سے علیحدگی اور صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات وغیرہ[۱۳]

قائداعظم کے مصالحتی فارمولے اور سر شفیع کی قرارداد کا سرسری تقابلی مطالعہ کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے الفاظ و معانی میں کوئی خاص فرق نہیں۔ دونوں ہندوستان کے لیے وفاقی طرز کا آئین چاہتے ہیں۔ دونوں علیحدہ طریق انتخاب کے حامی ہیں۔ دونوں بنگال اور پنجاب میں آبادی کی اساس پر نیابت کے خواہاں ہیں، دونوں سرکاری اور نیم سرکاری ملازمتوں، مجالس قانون ساز اور دیگر نمائندہ اداروں میں مسلمانوں کے لیے مناسب حصہ، سندھ کی بمبئی سے علیحدگی، سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات چاہتے ہیں۔ لیکن اگر دونوں کی دستاویز کا بنظر غور مطالعہ کیا جائے تو دونوں میں بہت

۱۲۔ دیکھیے ایم۔ جناح۔ ہسٹری آف دی اوریجن (Origin) آف دی فورٹین پوائنٹس (Fourteen Points) مطبوعہ بمبئی، ۱۹۲۹ء، ص ۱-۴

۱۳۔ رپورٹ آل انڈیا مسلم کانفرنس، دہلی، ص ۲۶، ۲۷۔

فرق نظر آتا ہے۔

پہلا نمایاں فرق تو یہ ہے کہ دونوں دستاویز کے معنوں میں زبان اور طرز تحریر کا فرق ہے۔ قائد کی زبان اور طرز تحریر، سادہ، مختصر اور عام فہم ہے۔ اور آئین سازی کی روح کے عین مطابق ہے۔ سر شفیع کئی جگہ پر الجھاؤ میں مبتلا ہیں۔ اور یہ الجھاؤ قرار داد کی پہلی شق ہی سے عیاں ہے۔ مجوزہ وفاق میں وفاقی یونٹوں کے لیے "states" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اب "states" کے لفظ کو اگر صوبوں اور ریاستوں کے علیحدہ علیحدہ حوالے سے دیکھا جائے تو مجوزہ وفاق کی تشکیل کی کچھ وضاحت ہونا چاہیے تھی۔ لیکن قائد اعظم وفاقی یونٹوں کے لیے Provinces یعنی صوبوں کا لفظ ہی استعمال کرتے ہیں۔ ویسے بھی وہ مجوزہ وفاق میں دیسی ریاستوں کی شمولیت، راجاؤں اور نوابوں کی اپنی مرضی کے مطابق نہیں چاہتے تھے اور یہ مسئلہ وسیع پیمانے پر افہام و تفہیم ہی سے حل ہو سکتا تھا۔

دوسرا نمایاں فرق یہ ہے کہ سر شفیع اپنی قرار داد میں کسی جگہ بھی نہرو رپورٹ کا ذکر نہیں کرتے جبکہ قائد اعظم اپنے مصالحتی فارمولے کی تمام تر بنیاد نہرو رپورٹ کی واضح مخالفت پر اٹھاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سر شفیع نہرو رپورٹ کے خلاف تھے لیکن قرار داد میں ذکر نہ کر کے ایک سنجیدہ مورخ کے لیے حیرانی کا موجب بنے ہیں۔

تیسرا بڑا فرق یہ ہے کہ سر شفیع مذہب کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ساری قرار داد میں صرف ایک دفعہ مذہب کی حفاظت کی بات کرتے ہیں اور وہ بھی ثانوی حیثیت سے۔ اس کے برعکس قائد اعظمؒ مذہب کی حفاظت اور ترقی پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں اور قرار داد میں دو جگہ مذہب کا ذکر کرتے ہیں۔ خاص کر مذہبی آزادی یعنی عقیدہ، عبادت، تعلیم، اشاعت، جماعت اور پراپیگنڈے کی آزادی کا مطالبہ زیادہ زور سے کرتے ہیں۔

چوتھے، قائد اعظم مسلمانوں کی ثقافت کی حفاظت پر زور دیتے ہیں۔ جب کہ سر شفیع اس بارے میں بالکل خاموش ہیں۔

جہاں تک جداگانہ طریق انتخاب کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ سر شفیع نے بھی جداگانہ طریق انتخاب کا ذکر کیا ہے لیکن قائد اعظم جداگانہ طریق انتخاب کے متعلق سر شفیع سے زیادہ واضح حکمت عملی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ علیحدہ طریق انتخاب فی الحال جاری

رہے گا۔ لیکن مسلمانوں کو اجازت ہوگی کہ وہ جب چاہیں مخلوط انتخاب کا طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔ دراصل قائداعظم علیحدہ طریق انتخاب کو مسلمانوں کی منزل نہیں منزل تک پہنچنے کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے[۱۴] اگر اس طریقے سے منزل تک پہنچنا مشکل تھا تو وہ کوئی دوسری راہ اختیار کرنے کے مخالف نہ تھے۔ بہرحال انھوں نے اگر کبھی جداگانہ طریق انتخاب کو چھوڑنے کی خواہش ظاہر کی تو مشروط طور پر۔ اپنے مسودے کے آخری حصے میں جس کو بعض لوگ پندرھواں نکتہ خیال کرتے ہیں، جس طرح علیحدہ طریق انتخاب کو قائم رکھنے کی وکالت کی ہے، اس طرح سر شفیع اپنی قرارداد میں نہیں کر سکے۔ قائداعظم لکھتے ہیں کہ جداگانہ طریق انتخاب مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہے۔ مسلمان مخلوط طریق انتخاب کبھی قبول نہیں کریں گے بشرطیکہ تجاویز دہلی والے مطالبات یعنی سندھ کی بمبئی سے علیحدگی، سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات وغیرہ تسلیم نہیں کیے جاتے۔[۱۵]

اس بحث کی روشنی میں ہم یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ قائداعظم نے اپنے نکات سر شفیع کے ریزولیوشن کو سامنے رکھ کر مرتب کیے اور اپنی طرف سے کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا۔ دراصل تاریخی عمل میں کوئی بھی *originality* کا جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص نئی بات کہنے یا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ تین چیزوں کی بنیاد پر کرے گا۔ علم، عقل، مشاہدہ اور یہ تینوں ذرائع ایسے نہیں جو ہر نئی چیز سوچنے والے کو دوسروں کے علم، عقل اور مشاہدے سے مستفید نہ کرتے ہوں۔ بہرحال اگر ایک کام ایک آدمی کرتا ہے تو دوسرا اس میں اضافہ کرتا ہے۔ لہٰذا سر شفیع کے ریزولیوشن میں جو مطالبات درج کیے گئے ہیں، وہ سر شفیع کے ذہن کی پیداوار نہ تھے۔ دراصل یہ مطالبات ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیان مسلمانوں کے عام مطالبات تھے[۱۶] اور ان میں اکثر کے پیچھے ایک طویل تاریخ موجود

---

[۱۴] روزنامہ انقلاب لاہور۔ ۳۱ مارچ ۱۹۲۷

[۱۵] حوالے کے سلسلے میں ملاحظہ ہو۔ (ا) تجاویز دہلی کے لیے دیکھیے، ایم۔ اے جناح۔ ہسٹری آف دی لیڈیجن اف دی فورٹین پوائنٹس پریذیڈینشل ایڈریس از نواب محمد اسمٰعیل خان آل انڈیا مسلم کانفرنس کا دوسرا اجلاس بمقام لکھنؤ ۱۹۳۰ء

(ب) روزنامہ انقلاب ۲۵ مئی ۱۹۲۹ء۔ ایڈیٹر۔

[۱۶] مطالبات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: (ا) روزنامہ انقلاب لاہور ۸ ستمبر ۱۹۲۷ء۔ ص ۲

(ب) میرزا بشیرالدین محمود احمد، مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ، لاہور ۱۹۲۸ء۔

ہے۔ وفاقی طرز کے آئین کا تصور لکھنؤ پیکٹ (۱۹۱۶ء) کے متن سے عیاں ہے جس میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے اور گورنر جنرل کے اختیارات کم کرنے کی سفارش کی گئی تھی[۱۶] جداگانہ طریقِ انتخاب کے متعلق سوچنا شروع کیا تھا[۱۸] اور ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کے مشہور شملہ وفد نے باقاعدہ جداگانہ طریقِ انتخاب کو اپنی یادداشت میں اہم مطالبے کی حیثیت سے شامل کیا[۱۹] جسے حکومتِ برطانیہ نے ۱۹۰۹ء کی اصلاحات میں قبول کیا۔ ۱۹۱۶ء کے لکھنؤ پیکٹ اور ۱۹۱۹ء کی اصلاحات میں اس طرزِ انتخاب کو برقرار رکھا۔ ملازمتوں اور وزارتوں میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے حصہ، ان میں تعلیم کی ترقی اور ان کی ثقافت اور تہذیب کے تحفظ کے مطالبات بھی باقاعدہ شملہ وفد کے ذریعے ہی پیش کیے گئے تھے اور آئندہ تمام اہم مواقع پر ان مطالبات کو دہرایا جاتا رہا اور وہ مشہور مطالبہ کہ مجالس قانون ساز میں کوئی تحریک، ریزولیوشن کا بل زیرِ بحث نہیں لایا جائے گا جس کے کسی اقلیت کے ۳/۴ ممبر خلاف ہوں۔ یہ لکھنؤ پیکٹ کی اہم شق تھی۔ جس کو سر شفیع نے اپنے ریزولیوشن میں کچھ الفاظ کے ردّ و بدل کے ساتھ درج کیا۔

شمال مغربی سرحدی صوبے میں اصلاحات کے مطالبہ نے ۱۹۲۱ء میں زور پکڑا۔ روزنامہ زمیندار لاہور نے متواتر "سرزمین بے آئین" کے عنوان سے پُرزور اداریے لکھے[۲۰] جہاں تک سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے مطالبے کا تعلق ہے، یہ بھی ۱۹۲۹ء میں تقریباً چالیس سال پرانا مطالبہ تھا۔ کسی نہ کسی طریقے سے اربابِ حکومت کو سندھ کی علیحدگی کے متعلق آگاہ کیا جاتا رہا تھا۔ عبداللہ ہارون کے قول کے مطابق ۱۹۲۹ء میں یہ مسئلہ تقریباً چالیس سال پرانا تھا۔ اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ ابتدا میں ہندو بھی اس کی

۱۶؎ لکھنؤ پیکٹ کے لیے دیکھیے، سید شریف الدین پیرزادہ: فاؤنڈیشنز آف پاکستان، انگریزی، جلد اول کراچی ۱۹۶۹ء صفحات: ۳۹۲ - ۳۹۷

۱۸؎ دیکھیے سرسید کے سیاسی خیالات اور خطبات جو چھپ چکے ہیں۔

۱۹؎ دیکھیے جمیل الدین احمد: ہسٹارک ڈاکومنٹ آف دی مسلم فریڈم موومنٹ: لاہور ۱۹۷۰ء، ص ۱۸ - ۲۲

۲۰؎ روزنامہ زمیندار لاہور - ۱۲، ۱۵، ۱۷، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳ اکتوبر - ۴، ۵، ۲۷، ۲۸ نومبر ۱۹۲۱ء

علیحدگی کا مطالبہ کرتے تھے[۱۲۰] بلوچستان میں اصلاحات، مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کا ۱/۳ حصہ، پنجاب اور بنگال میں آبادی کی اساس پر نیابت، تمام مشہور مطالبات کو ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو دہلی میں قائد اعظم کی قیادت میں مسلمانوں کے رہنماؤں پر مشتمل اجلاس میں ترتیب دیا گیا تھا جو بعد ازاں تجاویز دہلی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان سب مطالبات پر مشتمل ایک ریزولیوشن آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ (۱۹۲۷ء) میں پیش کیا گیا تھا جو اجلاس کے ملتوی ہونے کی وجہ سے پاس نہیں ہو سکا تھا[۱۲۱]

اب اس سلسلے میں اگر کوئی کریڈٹ ملنا چاہیے تو قائد اعظم کو نہ کہ سر شفیع کو۔ کیونکہ انھوں نے لکھنؤ پیکٹ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں تجاویز دہلی انہی کی قیادت میں مرتب ہوئی تھیں، کلکتہ لیگ ۱۹۲۷ء کا ریزولیوشن ان کی قیادت ہی میں پیش کیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قائد اعظم نے اپنا مسودہ قرار داد تیار کرتے وقت سر شفیع کے ریزولیوشن کو سامنے رکھا ہو۔ لیکن ہم یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ قائد اعظم نے کلی طور پر اس کی پیروی کی، بلکہ انھوں نے لکھنؤ پیکٹ، تجاویز دہلی اور کلکتہ لیگ کے ریزولیوشن ہی کو سامنے رکھ کر اپنے چودہ نکات مرتب کیے۔

قائد اعظم نے چودہ نکات ایک طرف مسلمانوں کو متحد کرنے اور دوسری طرف ہندوؤں اور انگریزوں سے سیاسی اور آئینی جنگ لڑنے کے لیے مرتب کیے تھے۔ ان کی تشکیل سے یقیناً فوری اور دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ شفیع گروپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ دوبارہ شامل ہونے کے لیے ایک موقع مہیا کیا گیا۔ دونوں طرف کے رہنما مل بیٹھے۔ افہام و تفہیم سے کام لینے کی کوشش کی گئی۔ اگرچہ سر شفیع کے علیحدگی کے رجحانات کی وجہ سے لیگ کا مکمل اتحاد نہ ہو سکا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پہلے کا سا بعد بھی نہ رہا۔ سر شفیع گروپ کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اگلے سال یعنی ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی۔ برصغیر میں اسلامی ریاست کا تصور آل انڈیا مسلم لیگ (جناح گروپ) ہی کے پلیٹ فارم سے ہوا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ آل انڈیا دہلی مسلم کانفرنس کا بھی ایک ہی اجلاس کے بعد

---

[۱۲۰] روزنامہ انقلاب، ۱۸ مئی ۱۹۲۷ء، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:
ڈاکٹر سید رضی واسطی: مسلم پنجاب اینڈ سپریشن آف سندھ۔ پاکستان ٹائمز۔ ۳۰ مارچ، ۶ اپریل ۱۹۷۵ء

[۱۲۱] انڈین رجسٹر جولائی - دسمبر ۱۹۲۷ء - ص ۴۴۷، ۴۴۸

زور ختم ہو گیا، اس کی ہر دلعزیزی کی بنیاد تشریح کی قرارداد ہی ہو سکتی تھی اور اس کی جگہ قائداعظم کے چودہ نکات نے لے لی تھی۔ جس سے کانفرنس کی بنیاد ہی ہل گئی، اور ویسے بھی یہ کوئی باقاعدہ جماعت نہ تھی۔ مختلف الخیال مسلمان رہنماؤں پر مشتمل ایک عارضی اجتماع کی حیثیت رکھتی تھی[۳۲۵]۔ ایسے عارضی سیاسی اجتماع آخر خود ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ان نازک حالات میں قائداعظم کی سیاست کا یہ ایک عظیم شاہکار تھا کہ انھوں نے ان نئی ابھرنے والی تنظیموں کو آل انڈیا مسلم لیگ کے مقابلے میں پنپنے نہ دیا اور آل انڈیا مسلم لیگ کی حیثیت کو برقرار رکھا۔

چودہ نکات کی تشکیل کا دور رس نتیجہ یہ نکلا کہ آئندہ ہندوؤں اور انگریزوں کے ساتھ ایک مضبوط بنیاد پر زیادہ اعتماد کے ساتھ اسلامیانِ ہند کے حقوق کی جنگ لڑی گئی۔ ہندوؤں کا ذہن تو یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات کو سرے سے ماننے کے قائل ہی نہ تھے۔ وفاقی طرزِ حکومت قائداعظم کا پہلا مطالبہ تھا۔ ہندو اس کے خلاف تھے۔ وہ ایسی حکومت چاہتے تھے جس سے اکثریت کے بل بوتے پر وہ سارے برصغیر پر ہندو راج مسلط کر سکیں۔ مسلمان مرکز کو کم سے کم اختیارات دینے کے حق میں تھے اور صوبوں کو زیادہ سے زیادہ۔ اس طرح مسلمان اپنی اکثریت کے صوبوں میں اپنے حقوق کی زیادہ بہتر طریقے سے حفاظت کر سکتے تھے۔ ہندو سرحد اور بلوچستان میں بھی اصلاحات نہ چاہتے تھے۔ اس لیے کہ یہ مسلمانوں کی اکثریت کے صوبے تھے۔ انگریز بھی یہاں اصلاحات نہ چاہتے تھے، وہ پٹھانوں اور بلوچیوں کو اپنے لیے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ سندھ کی علیحدگی بھی ہندوؤں کو پسند نہ تھی۔ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی اور ایک نیا صوبہ بننے سے مسلمان اکثریت کے صوبوں میں اضافہ ہوتا تھا۔ مسلمان اکثریت کے صوبوں کا (بنگال کے علاوہ) جغرافیائی طور پر برصغیر کے شمال مغرب میں واقع ہونے کی وجہ سے ایک سیاسی بلاک بنتا نظر آتا تھا اور اس بلاک کی پشت پر مسلمانوں کے وسیع علاقے افغانستان، ایران اور دیگر مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک واقع تھے، یہ صورتِ حال ہندوؤں کو پسند نہ تھی۔ اس لیے ہندو کسی قیمت پر بھی چودہ نکات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

بہرحال مسلمان اپنے تمام تر اندرونی اختلافات کے باوجود ان مطالبات پر جو قائداعظم کے نکات اور

۳۲۵۔ دیکھیے کے۔ کے۔ عزیز، دی آل انڈیا مسلم کانفرنس (۱۹۲۸ - ۱۹۳۵)، کراچی ۱۹۷۲ء، ص ۱۴

سر شفیع کے مسودے میں شامل تھے متحد تھے اور انگریزوں کو ان مطالبات کو ہر اہم موقع پر مدِنظر رکھنا پڑا۔ سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ تیار کرتے وقت ان کو سامنے رکھا[24]۔ گول میز کانفرنس میں زیرِ بحث رہے[25]۔ اسی طرح کمیونل ایوارڈ میں، قرطاسِ ابیض، جائنٹ سلیکٹ کمیٹی اور ۱۹۳۵ء کے آئین میں ان تمام تجاویز، نکات اور مطالبات کو سامنے رکھنا پڑا۔ ہندوؤں کی مخالفت اور انگریزوں کی اپنی مرضی کے خلاف مسلمانانِ ہند کے مطالبات کو منظور کرنا پڑا۔ نئے آئین کے تحت وفاقی طرزِ حکومت کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا۔ اگرچہ اس کی تشکیل مسلمانوں کی مرضی کے عین مطابق نہ تھی۔ جداگانہ طریقِ انتخاب کو مسلمانوں کی مرضی کے مطابق برقرار رکھا گیا۔ سرحد میں اصلاحات نافذ کر دی گئیں۔ بلوچستان میں بھی کافی حد تک اصلاح کی گئی، سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی ضمانت دی گئی۔ مسلم اکثریت کے صوبوں خاص کر بنگال اور پنجاب میں کسی قسم کی نئی حد بندی سے گریز کیا گیا[26]۔ ان مطالبات کا منظور ہونا مسلمانانِ ہند کی بہت بڑی کامیابی تھی اور اس میں سب سے اہم کردار قائدِ اعظم کا تھا، جنھوں نے چودہ نکات کو مرتب کر کے ان کی بنیاد پر مسلمانوں کے حقوق کی جنگ کامیابی سے لڑی اور بعد ازاں پاکستان کی عظیم مملکت معرضِ وجود میں آئی۔

---

۲۴ دیکھیے رپورٹ [illegible]

۲۵ انڈین راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ۳۲-۱۹۳۱ء

۲۶ دیکھیے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۔ ۱۹۳۵ء